بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذباللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھداللہ فلا مضل لہ و من یظلل فلا ھادی لہ و اشھدان لا الہ الااللہ و اشھدان محمدا عبدہ ورسولہ

چھٹی فرض نماز کہاں سے آئی؟

مرتبہ: محمد نامدار خان بوزئی

مورخہ ۱۴ر جولائی ۲۰۰۴ء

یہ سوال ہمارے وہ نوجوان اور بزرگ کرتے ہیں جو مہدوی عقائد سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے یا وہ حضرات جن کی قرآنی معلومات کمزور ہوتی ہیں۔ سوال میں مذکور چھٹی فرض نماز سے انکی مراد شبِ قدر میں ادا کی جانے والی نمازِ دوگانہ ہے۔ انکا یہ سوال ذہن میں خیال پیدا کرتا ہیکہ ہم نے شریعت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اس قسم کا سوال کرنے والے حضرات کو شائید یہ جان کر حیرانی ہو کہ یہ نماز مضامین قرآن سے ماخوذ ایک امر ہے۔ جس کی ادائیگی نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے! اس قسم کے سوالات کے پیدا ہونے کی ذمہ داری کسی حد تک ہمارے تبلیغی ذرائع ابلاغ پر بھی عائد ہوتی ہے!

شبِ قدر میں ادا کی جانے والی اضافی فرض کے بارے میں ان معترضین کے ذہنی خلفشار کی وجہ ان کی وہ معلومات ہیں جو انہیں ہمارے اور دیگر مسلمانوں کے فقہی اصطلاحات کے تقابل سے حاصل ہوتی رہی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ ہمارے بھائیوں کے آگے حق وصداقت کا معیار اکثریت کا عقیدہ ہے جو کہ ہر لحاظ سے ایک غیر قرآنی سونچ (non-Quranic aproach) ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو معلوم ہیکہ حق وصداقت کا معیار و میزان صرف اور صرف قرآن وسنتِ رسول اللہ صلعم ہیں اور جہاں تک فقہی اصطلاحات کا تعلق ہے انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فقہی اصطلاحات دورِ نبویؐ میں تکمیل کو نہیں پہنچیں تھیں۔ فرض، واجب، فرضِ کفایہ وغیرہ، وغیرہ جیسی اصطلاحات کا استعمال طلوع اسلام

کے تقریباً سوا سو سال بعد کی کاوشیں ہیں جو کہ غیر معصوم مجتہدین نے امت کی بھلائی اور تفہیمِ دین کی خاطر کیں تھیں۔مگر چونکہ ہر ایک کی قرآن فہمی اور سنتِ رسولؐ سے متعلقہ معلومات میں فرق تھا اس وجہ سے ان حضرات کی ترجیحات میں اختلاف کا پیدا ہو جانا فطری تھا چنانچہ چار مختلف مکاتبِ فکر، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی رونما ہوئے۔اس کے باجود، واللہ ان مجتہدین کے خلوصِ نیت پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔اللہ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور کروٹ کروٹ خیر ہی خیر عطا فرمائے (آمین)۔

مہدی علیہ السلام نے بھی ان مجتہدین کی کاوشوں کو مکمل طور پر رد نہیں کیا البتہ یہ نصیحت ضرور کی کہ ان پر عمل عالیت کی بنیاد پر کیا جائے یعنی ان میں سے جو اجتہادی فیصلہ نصِ قرآنی سے قریب تر ہو وہ اختیار کرلیا جائے۔چنانچہ اسی طرزِ فکر و عمل کو ہم نے اپنایا ہے جس کی سبب ہم فقہہ عالیہ پر ہونے کے دعویدار ہیں۔

فقہی اصطلاحات کا اختلاف:

فقہی اصطلاحات اور فقہ کے دائرے عمل کے اختلافات کچھ اسطرح ہیں کہ دین کا کوئی رکن ایک مسلک میں فرض تسلیم ہوتا ہے تو دوسرے مسلک میں وہ فرض تسلیم نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی رکن کسی مسلک میں واجب تسلیم کیا جاتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ دوسرے مسلک میں بھی وہ واجب تسلیم کیا جاتا ہو۔اس صورتِ حال سے امت اچھی طرح واقف ہے اور چونکہ ایمان و کفر کا دارومدار ان اختلافات پر منحصر نہیں ہوتا۔اس لیے غیر مصدّقین مہدیؑ اپنے غیر معصوم ائمہِ مجتہدین کے تشکیل دیئے ہوئے اصولوں کے تحت کسی رکنِ عبادت کو فرض ٹہراتے ہیں تو کسی کو واجب !اصل اصول یہ ہیکہ مامور من اللہ کے احکامات و فیصلے کے آگے اجتہادی فیصلے ناقص قرار پاتے ہیں۔اس لئے ہر وہ مسلمان جو مہدی علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق معصوم عن الخطا، خلیفۃ اللہ، اور مامور من اللہ ہادی تسلیم کرتا ہو اس پر لازم ہے کہ ان کی تعین کردہ صورتحال کو بلا چوں وچرا تسلیم کرلے۔

علوم فقہہ کی تاریخ سے پتہ چلتاہیکہ ’’ واجب‘‘ کی اصطلاح سب سے پہلے حضرت ابوحنیفہؒ نے متعارف کروائی چنانچہ احکامات الٰہیہ میں سے کچھ کو’’فرضِ اعتقادی‘‘ کہا گیااور کچھ کو’’فرضِ عملی‘‘ جسے احناف ’’واجب‘‘ کہتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں کی ادائیگی لازم ہوتی ہے!

(بحوالہ اردو شرح مشکوٰۃ المصابح ،صفحہ ۲۶ ۷، ۸۹۶، محمّد فضل یوسف زئی)

لہٰذہ ثابت ہوا کہ نام چاہے آپ کوئی دے لیں لیکن ہے تو دوسری صنف بھی’’فرضِ واجب الادا‘‘ ہے جس کی عدم ادائیگی کا ویسا ہی مواخذہ ہوگا جیسے کہ’’فرضِ اعتقادی‘‘ کی عدم ادائیگی کا!

ہمارے معترضین یہ بات جانتے ہونگے کہ بعض کے نزدیک نمازِ جنازہ کی ادائیگی فرض ہے جسے یہ لوگ ’’فرضِ کفایہ‘‘ کی نیت کے تحت ادا کرتے ہیں۔کیا یہ قرآنی اصطلاح ہے؟اگرنہیں ہے تو ہمارے بھائیوں کو چاہیے کہ ان سے بھی پوچھیں کہ........’’چھٹی فرض نماز کہاں سے آگئی ؟‘‘

مسلّماتِ دین روزِ اوّل سے ایک ہیں:

اصل معاملہ یہ ہے کہ مصدقین مہدیؑ کسی فقہی امام کی پیروی کے پابندنہیں ہیں اس وجہ سے اوروں کی فقہی اصطلاحات میں اور ہماری اصطلاحات میں ہمیشہ فرق موجود رہیگا۔اس کی چند ایک مثالیں یہ ہیں کہ قرآنِ مجید میں نماز سے زیادہ ’’ذکراللہ‘‘ کی تاکید کی گئی ہے قرآن مجید سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ تاکید نبی کریم ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء ومرسلین کو بھی کی گئی تھی چنانچہ ہم ذکر کو بھی فرض مانتے ہیں،توکل کی تاکید بھی ہر نبی ومرسل کو کی گئی اس وجہ سے اس کو بھی فرض مانتے ہیں، ترکِ حبِ دنیا کی تاکید آئی ہے اسوجہ سے اسے بھی فرض مانتے ہیں،صحبتِ صادقین کی تاکید بھی آئی ہے اسوجہ سے یہ بھی ہمارے نزدیک فرض ہے۔جبکہ مذکورہ ہدایاتِ ربّانی دیگر مسالک میں فرض نہیں مانے جاتے حالانکہ مذکورہ ہدایات سب کی سب سورۃ الشوریٰ کی آیت: **شرع لکم من الدین ما وصّیٰ به نوحاً والذین اوحینا الیک و ما وصّینا به ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدّین و لاتتفرقوا فیه** (ترجمہ:[اللہ تعالیٰ نے]تمہارے لیے وہی دین مقرر کردیا ہے جسکے قائم کرنیکا اس نے

نوح [علیہ السلام] کو حکم دیا تھا اور جو [بذریعہ وحی] ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ [علیہم السلام] کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا [۴۲:۱۳]) کے تحت یہ احکامات آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے تمام انبیاء کی شریعتوں میں موجود رہے ہیں۔

اسی سبب مذکورہ بالا عقائد وعوامل مذہبِ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی احیاء و اعادے کے علاوہ اور کوئی اصلیت نہیں رکھتے چنانچہ مذکورہ سارے کے سارے اوامر، خاتم الولایتِ محمدؐیہ مخصوصہ حضرت مہدی علیہ السلام کے مقاصد بعثت کے مضامین سے ایک مضمون یعنی احیائے واعادے دین سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تبلیغی مساعی میں بھی ان انبیاء ومرسلین کے ''دین'' کا اعادہ واحیاء شامل تھا۔ بالفاظِ دیگر احیاء واعادے کا یہ عمل ان کے فرائضِ رسالت سے تھا یہاں دین سے مراد و معنی وہی دین ہے جس کا کہ آیت کریمہ میں تذکرہ کیا گیا ہے نہ کہ وہ معنی ومفہوم جو ہمارے ذہنوں میں بسا دیا گیا ہے اور جس کی اہم جزیات سے نبی کریمؐ کو واقف کروایا گیا تھا۔ جن کی کہ اتبع نبی کریمؐ بھی کرتے تھے اور جنہیں سارے مسلمانانِ عالم سنتِ ابراہیمی، سنتِ داؤدی، سنتِ عیسوی، سنتِ موسوی وغیرہ وغیرہ جیسے ناموں سے جانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا احیّا واعادہ محمّد مصطفےٰ ﷺ کے ''دائرے ولایت'' (یہاں ولایت بمعنی مقتدرہ استعمال کیا گیا ہے) کا اہم حصہ ہونے کے سبب ''دین'' کا جُزِ لاینفک ہیں۔

جب ہم ''القرآن والمہدیؑ امامنا'' کہتے ہیں تو ہمارا مطلب اس بات کا اعلان کرنا ہوتا ہیکہ دیگر عوامل کے علاوہ فقہی معاملات میں بھی ہمارے رہنما قرآن ومہدی علیہ السلام کے فرمودات ہی ہیں جنکے قول، فعل، دعویٰ، دعوۃ اور ایمان کی تفصیل کا محور ان کے اقرار ''مذہبِ ما کتاب اللہ واتباعِ سنتِ رسولؐ اللہ'' سے واضح ہوجاتا ہے۔

<u>علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہر مامور من اللہ مفترض الطاعت اور واجب الاتباع ہوتا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ مامور من اللہ کا معلم اللہ سبحان وتعالیٰ ہوتا ہے اس کی قرآنی تفہیم منزِل من اللہ ہوتی</u>

ہے۔اس کا ''بیانِ قرآن'' منزّل من اللہ ہوتا ہے، اس کی ہدایات کا انکار اللہ کی ہدایات کا انکار تسلیم ہوتا ہے۔ اسی سبب انؑ کی ہدایت کے مطابق ہم نزولِ قرآن کی شب، نمازِ شکرانہ فرض کی نیت سے ادا کرتے ہیں۔ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے اظہارِ احسان مندی اور شکر ادا کرنا ایک منصوص فریضہ ہے۔ پس جب تک ہمارے معترضین مختلف فقہہ کے اصولوں کے فرق سے اور مقاصدِ بعثتِ ''المہدی الآخرالزماں'' سے ناواقف رہیں گے اس وقت تک خود بھی گمراہ رہیں گے اور دوسروں کو بھی مہدی علیہ السلام کی تعلیمات سے بدگمان کرتے رہیں گے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حج کے فوری بعد یا رمضان المبارک کے اختتام پر اللہ تعالیٰ ہم سے نہ تو ''خوشی'' منانے کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی عبادت کا! اسکے برخلاف نزولِ قرآن کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ خود حکم دیتا ہے:

یا یھاالناس قد جآء تکم موعظةمن ربکم و شفآء فی صدوروھدی وّ رحمة للمومنین

(اے لوگو! تمھارے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفاء ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے)(سورہ یونس:۵۷)

قل بفضل اللہ و برحمة فبذٰلک فلیفرحوا ھوا خیر مما یجمعون

آپ کہہ دیجیے کہ پس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کررہے ہیں۔ (سورہ یونس آیت:۵۸)

(ترجمہ: محمد جوناگڑھی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس؛ مدینہ منوّرہ)

جبکہ مفسر قرآن علامہ ابوالکلام آزاد نے ان آیات کا ترجمہ اسطرح کیا ہے؛

''اے لوگو تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی ہے جو موعظت ہے، دل کی تمام بیماریوں کے لیے شفاء ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں۔

اے پیغمبر! تم کہو، یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کی رحمت ہے۔ پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا کی زندگی میں) جمع کرتے ہیں۔''

انہی آیات کا ترجمہ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس طرح کیا ہے:

''لوگو، تمھارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفاء ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبی کہو کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی

مہربانی ہیکہ یہ چیز اس نے بھیجی، اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔''

علاّمہ حافظ نظر احمد صاحب نے انہی آیات کا لفظی ترجمہ اسطرح پیش کیا ہے:

''اے لوگو! تحقیق تمھارے پاس آ گئی نصیحت تمھارے رب کی طرف سے اور شفاء اس (روگ) کے لیے جو دلوں میں ہے۔ اور مومنوں کے لیے ہدایت ہے۔ آپ کہہ دیں! اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے، سو اس کی خوشی منائیں یہ اس (سب) سے بہتر ہے جو یہ جو جمع کرتے ہیں۔''

(آسان ترجمہ قرآن؛ حافظ نظر احمد، ۲۹۔ محمد نگر، لاہور)

ایک اور مبلغِ دین و محقق جناب حسین امیر فرہاد نے آیت میں مذکور الفاظ **فبذالک فلیفحروا** کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے ''تمہیں چاہیے کی اس گراں بہا متاکے بلا معاوضہ ملنے پر جشن مناؤ''

(بحوالہ ماہنامہ صوت الحق، نومبر ۲۰۰۴ء کراچی)

غیر ضروری احتیاط اور اس کے نتائج:

جہاں تک راقم الحروف کے مطالعے اور مشاہدے کا تعلق ہے، افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ مہدوی مفسرین اس رات ہر سال عید مناتے رہے ہیں، مرشدینِ اکرام بھی عید مناتے رہے ہیں اور عید منانے کی تلقین بھی کرتے رہتے ہیں مگر **فبذا لک فلیفحروا** کے ترجمے اور تفسیر میں خوشی، جشن یا عید منانے کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراض کرتے رہے ہیں۔ اگر یہ بزرگانِ دین کھل کر اس آیت کی تفسیر کر دیتے تو ہم بھی اپنے بچوں کے آگے قوی اعتماد کے ساتھ شبِ قدر سے متعلق اپنے عقیدے اور عمل کی وضاحت کرتے۔ فی زمانہ صورتحال یہ ہیکہ لاعلمی کے سبب ہم اپنی اولاد کو بھی صحیح طریقے پر اس عمل کا کوئی موثر اور convincing استدلال مہیا نہیں کر پاتے چہ جائے کہ غیروں کو متاثر کر پایں!

افسوس کا مقام ہیکہ انگریز کی غلامی سے آزادی ملنے پر اپنی خوشی کے اظہار کے عمل کے لیے بلا تحمل ہم نے ''جشن'' منانے کے الفاظ مشتہر کیے اور آج بھی کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن جیسی رحمت کے ملنے پر ہم لفظ ''جشن'' استعمال کرنے سے احتراض کرتے ہیں! حالانکہ اللہ سبحان وتعالیٰ بذاتِ خود نزولِ قرآن کے سلسلے میں خوشی منانے کی ہدایت کر رہا ہے!

مذکورہ بالا آیات کے تراجم وفسر سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہیکہ اس آیت میں موجود نصیحت وحکم کے مکلّف تو نبی کریم ﷺ بھی ہیں جس کے سبب یہ اخذ کرنا ایک منطقی استنباط ہوگا کہ اگروہ رات جس میں کہ قرآن نازل کیا گیا تھا نبی کریم ﷺ کو بتائی ہی نہ جائے اور یہ توقع رکھی جائے کہ آپ ﷺ اس نصیحت پر عمل کرینگے، ایک غیر منطقی اور غیر عادلانہ بات ہوگی !اس نتیجے کے اخذ کرنے اوراس کو صحیح تسلیم کرنے کی تائید میں ابنِ عینیہ کا قول پیش ہیکہ قرآنِ مجید میں جس کے متعلق مَا اَدْرٰاکَ ہےتو وہ چیز آپ ؐ کو بتادی گئی اور جس چیز کے متعلق وَمَا یُدْرِیْکَ فرمایا ہے تو اس کو آپ ؐ جانتے ہی نہ تھے۔'' (بحوالہ باب ۱۲۵۳، شبِ قدر کی فضیلت؛ صفحہ ۷۵۸ کتاب الصوم صحیح بخاری؛ جلد اول)

چند ضروری سوالات:

اس صورتحال میں سوال پیدا ہوجا تا ہیکہ کیا مذکورہ بالا سورہ یونس کی آیاتِ کریمہ کو پڑھ لینے کے بعد بھی ہمارے معترضین اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ شبِ قدر جیسی مبارک رات سے حاصل شدہ فیض کے ضمن میں ''واجب الاداتشکّر'' کے فرض کی ادائیگی سے نبی کریم ؐ غفلت برتنا چاہتے تھے یا یہ کہ نبی کریم ؐ کو (نعوذ باللہ) سورۃ یونس کی مندرجہ بالا آیات میں موجود اللہ کے حکم و نصیحت کا کوئی پاس ہی نہ تھا؟

کیا ہم گمان کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود جس بات کی ہدایت کرتا ہیکہ ہمیں چاہیے کہ اس ذمن میں خوشی منائیں؛ رسول اکرم ﷺ کو اللہ کے اس احسانِ عظیم کے ذمن میں عائد فرضِ شکرگذاری کی ادائیگی کا علم ہی نہ تھا ؟ یا ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مذکورہ آیات منسوخ آیات ہیں؟ (اعوذ باللہ من الذّالک)

مصدّقینِ مہدیؑ کی خوش قسمتی:

عموماًاس قسم کے سوالات کے جوابات مورخین، محدثین اور مفسرین مہیا کرتے ہیں مگر افسوس کہ ان کی اختلافی تحریرات ہمیں مزید تذبذب میں مبتلا کردیتی ہیں جس کے سبب محقق کسی نہ کسی مقام پر

قیاس کا سہارا لینے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ یا پھر اپنی تحقیق کو تشنہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہیکہ جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ ہم قرآن کے مضامین پر غیر جانبداری سے غور کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچیں یا کسی مامورمن اللہ کے علم کی طرف رجوع کریں۔ مگر اس فکر کی بھی اپنی کمزوریاں ہیں۔ پہلی صورت میں حاصل ہونیوالے نتیجہ کو بڑی آسانی سے ''ایک غیر معصوم کی فہم'' کے عنوان کے تحت نا قابلِ اعتماد کہدیا جاتا ہے جبکہ دوسری صورت میں اس مامورمن اللہ کی شخصیت پر اختلاف پیدا کر دیا جاتا ہے۔

الحمد للہ کہ ایک راسخ العقیدہ مہدوی اس غیر یقینی اور عالمِ کرب سے محفوظ ہوتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً وہ شخص راسخ العقیدہ مہدوی نہیں ہے۔ وہ ایک ایسا مصدق ہے جو کہ مہدی علیہ السلام کے علم وتعلیمات پر نہ تو پختہ یقین رکھتا ہے اور نہ ہی فرائض ومنصبِ مہدیؑ سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہے!

ان ہی وجوہات کے سبب تفقہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیکہ حقیقت وہی ہے جو کہ حدیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے یعنی شبِ قدر آپ ﷺ کو بتائی گئی اور پھر بھلادی گئی! اوراس رات کا بھلوادیا جانا نص قرآنی کے مطابق رہا۔ جس کی تفصیل اگلے صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔

پچھلے صفحات میں پیش کی گئی قرآنی آیات کے تراجم نے یقیناً یہ واضح کردیا ہیکہ نزولِ قرآن کا واقعہ ہی ایک واحد واقعہ ہے جس کی نشان دہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیحت کی ہیکہ اس موقعہ پر خوشی منائی جائے! اس واقعہ کے علاوہ اور کسی موقع کے لیے ایسی واضح نصیحت نہیں آئی!!!

یہاں راقم الحروف یہ سوال اٹھانے پر مجبور ہے کہ کیا فی زمانہ دنیائے اسلام میں ایسا کوئی گروہ ہے جو اس خواش الٰہیہ کا احترام کرتا ہواوراس تاکید پر عمل کرتا ہو؟ راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ بھی نہیں کرتے جو اس بات کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ انہیں فلاں تاریخ کو شبِ قدر ملی تھی!

اب چونکہ آیتِ کریمہ میں خوشی منانے کی تاکید آئی ہے تو منطقی اعتبار کے تحت ضروری ہو جاتا

ہے کہ پہلے شکرادا کیا جائے اور پھر خوشی (عید) منائی جائے ۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ پہلے عید منالی جائے اور بعد میں شکرادا کیا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس رات ہم سب حسبِ حیثیت نئے کپڑے پہنتے ہیں، نمازِ دوگانہ بحیثیتِ ''فرض'' (جس کی فقہی تفصیل آگے آرہی ہے) ادا کرتے ہیں، دوگانہ کی ادائیگی کے بعد ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں، گلے ملتے ہیں اور ''خوشی'' مناتے ہیں۔ اس طرح ایک منزّل من اللہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کی مہدویوں کے نزدیک سب سے اہم عید یہی عید ہوتی ہے!

ایک اعتراض کا جواب:

ہم پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہیکہ ایسی متبرک رات میں رات بھر عبادت کرنے کے بجائے ہم صرف دو رکعت نماز ادا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں! جواباً عرض ہیکہ ایک مہدوی موقتی فرض (صلوٰۃ) کے علاوہ تمام اوقات میں صلوٰۃ سے ''اکبر'' فرضِ عملی کی ادائیگی یعنی ''ذکراللہ'' میں مشغول رہتا ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا ہے تو یہ اس کی ذاتی کوتاہی ہے! کیونکہ اللہ تعالیٰ سورہ عنکبوت میں فرماتا ہے: **ان الصلوٰۃ تنھا عن الفحشا والمنکر و لذکر اللہ اکبر** [۲۹:۴۵] یعنی بے شک نماز منکرات اور فحش باتوں سے روکتی ہے لیکن اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، چنانچہ ایک تربیت یافتہ فرد اس رات کے ایک لمحہ کو بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتا!

تاریخ گواہ ہیکہ ہمارے بزرگوں کی ہر آتی جاتی سانس ''ذکراللہ'' میں منہمک رہتی رہی ہے۔ مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ نہ صرف ہماری نوجوان نسل بلکہ ہمارے ہوش مندوں کی اکثریت بھی اس آیت میں مذکور ذکراللہ کی افضلیت سے ناواقفیت اور دینی تربیت میں کمی کے باعث نوافل کی ادائیگی سے زیادہ مرعوب نظر آتی ہے اور اس قسم کے سوالات اٹھاتی ہے۔ معترضین کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت نفل نمازوں سے زیادہ افضل عباداتی عمل ''ذکراللہ'' کا ورد ہے! اب اگر کوئی فرد ''ذکراللہ'' کو عبادت تسلیم ہی نہیں کرتا ہو تو اس کا معاملہ ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں۔

دوسری اہم بات جس پر توجہ نہیں دیجاتی وہ یہ ہیکہ سورہ یونس کی متحوالہ آیتِ کریمہ میں تقاضہ ادائیگیِ کثرتِ نوافل کا نہیں بلکہ ''خوشی'' (عید) منانے کا ہے! کیا اس حقیقت سے کوئی انکار کرسکتا ہے؟

قرآن اور شبِ قدر:

ہم سب جانتے ہیں کہ اس شب کی کسی قدر خصوصیت وفضیلت کی تفصیل سورہ البقرہ اور سورہ القدر میں وارد ہوئی ہے لہٰذہ ضروری ہیکہ ان سورتوں کی متعلقہ آیات سے رجوع کیا جائے، آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں کیا فرماتا ہے:

''ماہِ رمضان وہ ہے کہ جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنیوالا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کے تمیز کی نشانیاں ہیں۔'' یہاں آیت کا مضمون سے متعلقہ حصہ بیان کیا گیا ہے اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہیکہ قرآنِ مجید ماہِ رمضان میں اتارا گیا تھا۔ (سورۃ البقرہ: آیت: ۱۸۵)

سورۃ القدر [۹۷] کی آیات: ۱ تا ۵ میں فرماتا ہے:

''بیشک ہم نے اس (قران) کو شبِ قدر میں نازل کیا۔ اور کیا آپؐ جانتے ہیں کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر (نزولِ خیر والے) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں اپنے رب کے اذن سے ملائکہ اور ''الرّوح'' سلامتی برپا کرنے کے تمام اوامر کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور یہ ہے طلوعِ فجر تک۔''

اس سورۃ کو تھوڑا سا توجہ سے پڑھنے پر پہلی بات یہ عیاں ہوجاتی ہے کہ لیلۃ القدر وہی رات تھی جس میں کہ حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ لیلۃ القدر نبی کریم ﷺ کو دکھائی گئی تھی، اور اُس لمحہ اسلام نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک تک ہی محدود تھا۔ اس لیے یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ سورۃ یونس کی متعلقہ آیات کے نازل ہونے تک وہ رات بھلا دی گئی ہو۔

جاننا چاہیے کہ سورۃ القدر مکمل مکّی ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے ۲۵ ویں سورۃ ہے جبکہ سورہ یونس بھی مکی سورۃ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اکیاون ویں سورۃ ہے البتہ اس کی آیات ۴۰، ۹۴، ۹۵ اور ۹۶ مدینہ میں نازل ہوئیں تھیں اور اس وقت تک با جماعت نماز کا آغاز نہیں ہوا تھا، تبلیغِ اسلام کی کاوشوں کا یہ ابتدائی دور تھا؛ اسلام اور اس کی تعلیمات سے لوگوں کو دھیرے، دھیرے واقف کروایا جا رہا تھا۔ (حصہ دوم، اسلامی معلومات مولفہ محمد غفران رشیدی کیرانوی)

دوسری اہم بات جو لیلۃ القدر کی آیات سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہیکہ کی اس سورۃ کے لفظی ترجمہ میں بھی عبادت کا تقاضہ نہیں پایا جاتا!!

اس رات کی جانے والی عبادات سے منسلک و مروّی فلسفہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہیکہ اس رات کی ایک عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادات کے ثواب کے برابر ہونیکا خیال غیر معصوم مفسرین و مترجمین نے پیدا کیا ہے!! غالبًا یہاں ان مخلصینِ اسلام کا مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور نیکی کی ترغیب دلانا تھا۔ اس کا ثبوت آگے پیش کیا جا رہا ہے۔ مفسر قرآن محترم اشرف علی تھانوی صاحب کی شب قدر کے سلسلے کی تحریرات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شبِ قدر میں ساری رات عبادت کرنا ضروری نہیں اگر دو رکعات بھی ادا کر دی جائیں تو حق ادا ہو جاتا ہے۔ شبِ قدر کے تعین کے سلسلہ میں ہمیں احادیثِ نبوّی ﷺ کا مطالعہ بھی بغور کرنا ہوگا جن سے مہیّا مصدقہ معلومات کے بغیر ہمارا نہ کوئی تجزیہ قابلِ قبول ہوگا اور نہ ہی کوئی علمی جواز!

شبِ قدر احادیثِ نبویؑ کے تناظر میں:

شبِ قدر کے سلسلے میں صحاح ستہ میں خاصی تعداد میں احادیث بیان کی گئی ہیں اور ان سب میں اس رات کے تعین سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر ان اختلافات کے باوجود جو بات ان تمام احادیث میں مشترکہ طور بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ شبِ قدر آپ ﷺ کو دکھائی گئی اور پھر بھلا دی گئی چنانچہ اس مضمون کی احادیث مسلم و بخاری دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ابن ماجہ کی حدیث نمبر

۱۷۶۶، جامع ترمذی کی حدیث نمبر۷۹۲ اور۷۹۳ بھی اسی مضمون سے مزیّن ہیں۔ یہاں راقم الحروف صحیح بخاری کی ایک خاص حدیث کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہے۔ محترم محدث بخاری صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہیکہ نبی کریمؐ ہمیں شبِ قدر کے متعلق بتانے کے لیے تشریف لائے تو مسلمانوں میں سے دو شخص جھگڑ رہے تھے۔ فرمایا کہ میں تمہیں شبِ قدر بتانے کے لیے نکلا تھا لیکن فلاں فلاں جھگڑ رہے تھے تو وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہیکہ یہ تمہارے لیئے بہتر ہو، لہٰذا اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو۔'' (حدیث رقم: ۱۸۸۷، صحیح بخاری؛ جلد اول)

اس حدیث میں مذکور الفاظ ''اٹھالی گئی'' سے مراد بھلا دی گئی ہے ورنہ تلاش کی بات بے معنی ہوجاتی ہے اور محولہ ساری احادیث میں مذکور اس رات کا بھلا دیا جانا عین منشاء یزدی: سنقرئک فلا تنسیٰ الّا ماشآاللہ (ترجمہ: ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ بھولینگے نہیں بجز اس کے جو اللہ چاہتا ہے)[سورہ: الاعلیٰ: ۶، ۷] کی حکمت کے تحت ہوا تھا۔ بظاہر تو مذکورہ آیت قرآن کے محافظے سے متعلق نبی کریم ﷺ کے اطمینان خاطر کا اہتمام کرتی نظر آتی ہے مگر اصلاً اس کا تعلق حضور ﷺ کی اُس ''یادداشت'' سے ہے جو کہ علومِ نبوّت سے تعلق رکھتی ہے جس پر بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہوتا جس کے سبب ہم شبِ قدر سے متعلقہ معلومات کو بھی اسی ''دائرے یادداشت'' میں متعین کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ سارے کا سارا قرآن اسی یادداشت پر منحصر کیا گیا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ ذیل میں مزید دو احادیث جو کہ ستائیسوں شب سے متعلق ہیں، قارئین کے استفادے کے لیے بیان کی جاتی ہیں:

''ابوالخیر نے صنابحی سے دریافت کیا کہ آپنے کب ہجرت (مدینہ منورہ کی جانب) کی انہوں نے فرمایا کہ ہم یمن سے ہجرت کر کے چلے تو جب جحفہ کے مقام پر پہنچے تو ایک سوار ہمارے پاس پہنچا جس سے ہم نے مدینہ طیّبہ کے حالات پوچھے، اس نے جواب دیا کہ پانچ روز ہوگئے جب ہم نے نبی کریم ﷺ کو زمین کے سپرد کردیا تھا۔

ابوالخیر نے پوچھا، کیا آپ شبِ قدر کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟ جواب دیا ہاں، مجھے نبی کریم ﷺ کے موذن حضرت بلالؓ نے بتایا کہ وہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی ساتویں رات (گویا ستائیسویں رات ہوئی) ہے۔''

[بخاری، جلد دوم، (باب ۵۰۵، حدیث نمبر ۱۵۸۷) صفحہ ۷۳۳؛ فرید بک اسٹال، لاہور]

مشکٰوۃ مصابیح کی حدیث سے بھی پتہ چلتا ہیکہ نبی کریمؐ نے رمضان کی تیئسویں، پچیسویں اور ستائیسویں شب کو لوگوں کیساتھ نماز ادا کی تھی۔ لیکن ستائیسویں شب میں مزید اہتمام یہ کیا تھا کہ اہل خانہ کے علاوہ دیگر لوگوں اور عورتوں کیساتھ نماز ادا کی تھی اور قیام اتنا طویل تھا کہ لوگوں کو سحری کے وقت کے ختم ہو جانیکا خدشہ ہو گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ: ۶۲۷، جلد رقم ۲، اردو شرح مشکٰوۃ المصابیح، مولفہ علامہ فضل محمّد یوسف زئی)

مذکورہ حقائق سے واضح ہو گیا کہ ''خوشی'' منانے کا تقاضہ بہت بعد میں یعنی سورہ یونس کے نزول کے دوران ہوا اور تفقہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیکہ اس وقت تک پہلی وحی کے نزول کی رات بھلا دی گئی تھی! کسی اور موقعہ پر جب حضورِ اکرم ﷺ کو یاد آیا اسوقت وہ رات، حدیث میں مذکورہ دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑے کی تناظر میں پھر سے بھلا دی گئی!! چنانچہ ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب کچھ منشاء یزدی کے تحت ہوا تھا!!

احادیث کے اختلافات کے چند اسباب:

اس مرحلہ پر احادیث کے اختلافات کی وجوہات کا کسی قدر جائزہ لینا ضروری محسوس ہوتا ہے، جاننا چاہیے کہ احادیث کے اختلافات کے اسباب و وجوہات محققین کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکے چنانچہ یہ بات اب منظرِ عام پر آ چکی ہے کہ بعض لوگوں نے مختلف وجوہات کی بناء پر حدیثیں گھڑ لیں تھیں، اس فعل قبیحہ نے عقائد کی اصل شکل بگاڑ دی چنانچہ محترم امین اصلاحی صاحب وضعِ حدیث کے محرکات کے تحت اپنی کتاب ''مبادی تدبرِ حدیث'' کے صفحہ رقم: ۱۲۸ پر لکھتے ہیں:

''اصحابِ فن نے ان روایتوں کی تحقیق کی اور بالآخر اس کا سراغ لگا

ہی لیا۔ جب ان کے گھڑنے والے کا پتہ چلا اور اس سے سوال کیا گیا کہ اس نے اس گناہِ عظیم کا بار اپنے سر کیوں لیا تو اس نے جواب دیا کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگ امام ابوحنیفہ (علیہ رحمۃ) کی فقہ پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں تو میں نے یہ روایتیں گھڑیں تا کہ لوگوں کو قرآن کی طرف متوجّہ کروں۔''

صفحہ: ۱۲۹، پر لکھتے ہیں:

''اسی طرح ایک گروہ نے جو اخیار اور صالحین کے زمرے میں آتا ہے، اپنے صوفیانہ مزاج کی بدولت ترغیب وترہیب کے قسم کی بیشمار روایات گھڑ ڈالیں۔ بادیٔ النظر میں ان کا مقصد لوگوں کو آخرت کا ڈر اورخوف دلانا اوران کے اندر دین کی طرف شوق اور رغبت پیدا کرنا تھا ان حضرات پر جب ان بے بنیاد روایات کے سبب سے اعتراضات ہوئے تو اپنے دفاع میں انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ان روایتوں سے مقصود لوگوں کو نیکیوں کی ترغیب دینا اور برائیوں سے بچانا ہے، اس وجہ سے ان کو سند اور روایت حدیث کی ان پابندیوں سے آزاد ہونا چاہیے جو محدثین نے قائم کر رکھیں ہیں۔

ہمارے محدثین نے اس گروہ کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس کے آگے ڈگ ڈال دی اور انھوں نے غالبًا اس گروہ کے اس موقف کو صحیح تسلیم کرلیا چنانچہ انہوں نے اپنی تحقیقی دار و گیر کو صرف احکامی روایات تک محدود کر کے اس گروہ کو ہر قسم کے رطب و یابس چیزیں پھیلانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ ان کا رعب اور ہیبت اتنی چھا گئی کہ انہوں نے گویا غلبہ سا پالیا! اسی گروہ کی پھیلائی ہوئی وہ روایات ہیں جن سے تصوف کی کتابیں بھری پڑیں ہیں۔''

اسی موضوع پر شمس العلماء الطاف حسین حالیؔ کے رسالہ ''تحذیب الاخلاق'' ۱۸۷۹ء میں شائع شدہ ایک مضمون کا یہاں حوالہ دینا نامناسب نہ ہوگا؛ لکھا ہے:

> ''امام جوزیؒ نے لکھا ہیکہ حدیثیں وضع کرنے والوں کا ایک بہت بڑا گروہ ہے جن کے راس ورئیس وہب بن وہب اور قاضی بختری وغیرہ تیرہ آدمی ہیں۔ انہی تیرہ آدمیوں میں ایک محمد بن عکاسہ کرمانی ہے جس نے محمد بن تمیم فاریانی کی شرکت میں دس ہزار حدیثوں سے زیادہ وضع کی ہیں۔''

مذکورہ بالا انکشاف سے قبل لکھتے ہیں:

> ''علماء کی ایک بڑی جماعت (جیسا کہ جامع الاصول اور شرح نخبۃ الفکر وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے) اس بات پر متفق ہوگئی تھی کہ ترغیب وترہیب کے ذریعہ حدیثیں وضع کرنی یا ضعیف اور منکر حدیثوں کی روایت کرنی جائز ہے۔ اسی بناء پر بے شمار حدیثیں ترغیب کے لیے وضع کی گئیں تھیں۔''

مثالیں بیان کرتے ہوئے اور مزید بات آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یا مثلاً! حفضۃ القرآن کے فضائل میں جیسے یہ حدیث کہ حافظِ قرآن کی فضیلت غیر حافظِ قرآن پر ایسی ہے جیسے خالق کی مخلوق پر۔ اسی طرح سینکڑوں روزے اور ہزاروں نمازیں اور بے انتہا طواف اور بے شمار صدقے وضع کیئے اور ان کے اجر اور ثواب میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا۔''

علامہ نے وضع حدیث کے اثرات کا تذکرہ مضمون کی ابتداء ہی میں مندرجہ ذیل الفاظ میں کر دیا تھا، فرماتے ہیں:

> ''اگرچہ محققین نے ان کی تحقیقات اور چھان بین کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ان کی موضوعات اور مفتریات کو احادیث صحیحہ سے جہاں تک

ہوسکا جدا کیا مگران کی جرح وقدح صرف کتابوں ہی تک محدود رہی اور واعظوں کے رنگین فقرے جو کم سے کم ہزار برس تک وعظ کی بھری مجلسوں میں وقتاً فوقتاً مسلمانوں پر چلتے رہے وہ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک وباء کی طرح پھیل گئے۔'' (بحوالہ ماہنامہ، طلوع اسلام نومبر ۲۰۰۳ء)

ایک اور عالم محترم مسعود عالم قاسمی صاحب ''فتنہ وضع حدیث اور موضوع احادیث کی پہچان'' کے صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں:

''شہرت مقبولیت اور نام ونمود کا حصول بھی وضع حدیث کا ایک بڑا سبب تھا۔ یہ واقعہ ہیکہ ایک زمانے میں محدث کی بڑی شان ہوا کرتی تھی اور حدیث کی روایت کرنا بڑی عزت اور مرتبے کا کام سمجھا جاتا تھا، راویوں کی جو قدر اور عزت افزائی ہوتی تھی وہ دوسروں کو ہرگز نصیب نہ تھی اور ایسے حضرات مرجع خلائق تھے جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ ان کی سند عالی ہے۔ چنانچہ ایسے محدثین کے پاس طالبینِ حدیث کا اژدہام ہوتا اور شائقین دور دراز کے علاقوں سے لمبا لمبا سفر طئے کر کے ان کے پاس حاضر ہوتے اور حدیث کا درس لیتے، اس معاملے میں ان کو جتنی مصیبت اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا وہ سب گوارہ کرتے۔ ان محدثین کی عزت اور فضیلت صرف ان کے شاگردوں تک محدود نہ ہوتی بلکہ عوام وخواص، امیر وغریب، عالم وجاہل سب ان کا یکساں احترام کرتے، ظاہر ہیکہ اس میں جو کشش ہے وہ دوسری کسی چیز میں نہیں ہوسکتی، اس لیے بہت سے وہ لوگ جو سستی شہرت کے خواہاں ہوتے اور نام ونمود کی لالچ ان کو بے چین رکھتی، وہ حدیث کی روایت کرنے لگتے اور جھوٹی روایت ثقہ راویوں کی سند میں ملا کر بیان کرتے تاکہ وہ سچے محدثین کی طرح عوامی مرجعیت کے حقدار سمجھے جایں۔''

صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں:

''وضع حدیث کا ایک عمومی محرک ترغیب وترہیب رہا ہے، یعنی نیکیوں پر رغبت دلانے اور گناہ کے کاموں سے بغض رکھنے اور اچھے اعمال کی فضیلت اور برے اعمال کی قباحت بیان کرنے کے لیے بھی حدیث وضع کی جاتی رہی ہے۔ دوسروں کی اصلاح کرنا اور نیکیوں کو رواج دینا یقیناً امورِ دین سے ہے اور قابل تعریف ہے، ہر مسلمان پر واجب ہیکہ جب وہ کوئی برا کام دیکھے تو اسے روکنے کی کوشش کرے اور جس شخص کے اندر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بہت سے سادہ لوح دین داروں نے جب یہ دیکھا کہ بہت سی ایسی چیزیں رائج ہوچکی ہیں جو دین کے منافی ہیں اور بہت سے دینی اعمال ایسے ہیں جن کو لوگ چھوڑتے جارہے ہیں تو انہوں نے ان اعمال کی فضیلت بڑھانے کے لیے حدیث وضع کرنی شروع کردیں تا کہ لوگ ان کی طرف راغب ہوں اس طرح دین کی اشاعت کے لیے نیک نیتی کے ساتھ خود دین کو نقصان پہنچایا گیا اور یہ سادہ لوح سمجھا کیے کہ 'انهم يحسنون صنعا' وہ اچھا کام کررہے ہیں''

ایسے ہی حقائق کے پیشِ نظر گمان کیا جاسکتا ہیکہ رمضان المبارک کے محدود ایام کی برکتوں اور نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کیلیے اس موقعہ پر بھی مذکورہ اجتماعی بھلائی کے خیال نے رات بھر نوافل کی ادائیگی کا خیال پیدا کیا ہو تا کہ مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ وقت ''عبادات ومجاہدات'' میں گذرے!! آخر یہ بھی تو ''ترغیب وترہیب'' کے سنہری اصول سے مستفید ہونے کا ایک انداز ہے!

یہی وہ وجوہات تھیں جن کے سبب راقم الحروف نے بھی یہ خیال ظاہر کیا کہ شبِ قدر کی رات کی ''عبادات'' کا ایک ہزار سال کی ''عبادات'' سے افضل ہونے کا خیال ایسے ہی محرفینِ احادیث یا ان کے ہم خیال مبلغین کا ہے جو امت کو کثیر ''عبادات'' کی ترغیب وترہیب دینا چاہتے ہیں۔

وضع احادیث کے معاملات عبادات تک ہی محدود نہیں رکھے گئے بلکہ اس کا دائرہ عمل بعثت مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کے عقائد کو بھی گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور ہر لحاظ سے علاماتِ قیامت و عدلِ الٰہیہ کے تقاضوں کو مجروح و مشکوک کر چکا ہے۔ اور آج ساری امت مسلمہ اس ذمن میں غیر یقینی اور تذبذب میں مبتلا نظر آتی ہے۔

شکر گذاری اور اسلام کی تعلیمات:

اسلام میں شکر گزاری سے متعلق ڈاکٹر خالد مسعود صاحب اپنے مضمون ''قرآن کی اخلاقی اصطلاحات کا معنویاتی مطالعہ'' میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے کافر کی بنیادی خرابی یہ بتائی ہیکہ کافر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا ربِ کریم کے احسانات و نعمتوں کا انکار کر کے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرتا ہے۔ جبکہ مسلمان کی خصوصیت یہ بتائی ہیکہ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا احسان منداور شکر گذار رہتا ہے اور لکھتے ہیں کہ اسی احسان مندی سے ایمان جنم لیتا ہے۔

(ماہنامہ المعارف، اپریل۔ جون ۲۰۰۴ء، ادرہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور؛ پاکستان)

مندرجہ بالاتحریر کے پس منظر میں ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہیکہ (نعوذ باللہ) کیا نبی کریم ﷺ نزولِ قرآن کے احسان الٰہیہ کے سلسلے میں کفرانِ نعمت کا ارتکاب کر سکتے ہیں؟ (ثمّہ نعوذ باللہ) اللہ سارے مسلمانوں کو عقلِ سلیم سے نوازے اور گمراہی سے بچائے۔ یقیناً آپ ﷺ نے بھی شکرادا کیا ہوگا۔ یہاں قیاس یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ یہ شکرانا سورہ یونس کی متوالہ آیات کے نزول سے پہلے ہی کر دیا ہوگا (واللہ اعلم) کیونکہ شکرادا کرنے کی تعلیم اللہ نے ہر نبی و مرسل کو دی ہے ذیل میں ان کے قرآنی حوالے آگے پیش کیے جارہے ہیں۔

کفرانِ نعمت اور مہتدین:

اچھی طرح سمجھ لیں کہ مہدوی حضرات بھی کسی حال میں کفرانِ نعمت کا ارتکاب نہیں کرتے۔ ہمارا حال یہ ہیکہ قرآنی تعلیمات و مہدی علیہ السلام کی احیائے دین کی کاوشوں کے سبب ہم خوشی و غم ہر دو

موقعوں پر سنتِ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے سب سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسکا شکرادا کرتے اور ہر دو حال میں راضی بارضائے الٰہی کا نمونہ بن جاتے ہیں جو کہ اصولِ بندگی اور دین کا عین تقاضہ ہے۔ یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ہر وہ نصیحت جو اللہ کی طرف سے ہمیں ملتی ہے وہ ہمارے لیے فرض کا درجہ رکھتی ہے چاہے چاروں سنّی فقہہ کی مروجہ فقہی اصطلاحات اسے کسی نام سے لوگوں میں متعارف ومشتہر کریں البتہ ان میں ترجیحات فقہ عالیہ کے تحت دی جاتی ہیں۔ چنانچہ جب مہدی علیہ السلام نے ہمیں شبِ قدر کا علم بحکم الٰہیہ عطا فرمایا تو نزولِ قرآن کی شب یعنی شبِ قدر کو ہم نے حسب الحکمِ **احکم الحاکمین** خوشی (عید) منانا شروع کیا۔

سوچنے کا مقام ہیکہ جب نزولِ قرآن کو اللہ نے بنی نوانسان کے لیے ''فضل ورحمت'' سے تعبیر کیا ہے تو کیا ہم پر اللہ کے اس فضل، کرم فرمائی اور نازل کردہ رحمت واحسان کا شکرانا ادا کرنا فرض (obligatory) نہیں ہوجاتا؟ یہ ایک منصوص منطق ہے جس کے تحت نہ صرف خوشی بلکہ اظہارِ تشکر بھی ہر مسلمان کا دینی اور اخلاقی ''فریضہ'' بن جاتا ہے۔ ایک اخلاقی فریضہ ''دینی'' کیسے بن جاتا ہے یہ بھی سمجھ لیں۔

مسند احمد کی حدیثِ مبارکہ ہے: **بعثت لاتمّ مکارم الالخلاق** (میں مکرم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) پس اخلاقیات کی تعلیم حضورِ اکرم کے فرائض کا حصہ ہونیکے سبب دین کا ایک اہم ترین حصّہ ہے۔ قرآنِ کریم نے بہتر اخلاق کو مومن کی صفت بتایا ہے چناچہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارک مکرم ترین اخلاق کا مجسمہ تھی۔ واضح ہو کہ عدل کی تعلیمات بھی اخلاقی فرائض کی ادائیگی کا تقاضہ کرتیں ہیں اس طرح عدل اور مکرم اخلاق، اسوۂ حسنہ میں شامل ہونے کے سبب حقوق اللہ اور حقوق العباد کی لوازمات میں شامل ہیں! اسوجہ سے اخلاقی فریضہ دینی فرائض کا حصہ شمار کیا جائیگا۔

قرآنِ کریم کی آیات سے واضح ہوتا ہیکہ شکرگذاری کی صفت انبیاء ومرسلین کا خاصہ رہی ہے، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ ''وہ ہمارا بڑا ہی شکر گذار بندہ تھا'' (سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۳) موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا ''جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا اس کو لو اور شکر کرو!'' (سورہ الاعراف،

آیت ۱۴۴) اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں کہا گیا کہ ''اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے'' سورہ النمل کی آیت ۱۲۳ میں حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا ''پھر ہم نے آپ کیجانب وحی بھیجی کہ آپ ملتِ ابراہیم حنیف کی پیروی کریں''۔اس وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا شکر ادا کرنا ہر امۃ پر فرض رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تمام امثال دینے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے مخاطب ہوکر شکر نہ ادا کرنے کے بارے میں وارننگ دیتے ہوئے فرمایا:

''اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا (ہے) کہ اگر تم شکر گذاری کروگے تو بیشک میں تمہیں (اور) زیادہ دونگا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' (سورہ ابراہیم؛ آیت: ۷)

یہ وارننگ بظاہر تو بنی اسرائیل کو دی گئی ہے مگر اس کا تعلق ہم سے بھی ہے۔الحمد للہ کہ متذکرہ ''سخت عذاب'' سے بچنے کیلیے اللہ کی نصیحت وحکم کی پابندی کرتے ہوئے شکر گزاری کا یہ فرض ملت مہدویہ بلا کسی عذر کے ادا کرتی ہے۔اب کوئی ہمیں یہ بتائے کیا اللہ کے حکم کی تعمیل میں خوشی (عید) منانا قابلِ اعتراض عمل ہے؟ کیا شبِ قدر کی منصوص افضلیت،شرف وعظمت اور اس رات میں انسانوں کی بھلائی کے لئے برپا کیے جانے والے سلامتی کے امور وبرکات کے نزول کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ بالا آیت کے تحت شکرانا ادا کرنا فرض نہیں ہوجاتا؟

ہر راسخ العقیدہ مسلمان جانتا ہے کہ دنیا کی طبعی عمر کے اس آخر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوانسان کو شبِ قدر میں نازل کی جانیوالی ''خیر'' سے بہتر کوئی اور ''خیر'' نہیں عطا کی!!!

اللہ تعالیٰ کے اس انعام،احسان وکرم فرمائی پر فرض کی نیت سے شکرانا،نماز کی شکل میں ادا کرنے والوں پر اعتراض کرنے والوں کو دیانتداری سے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور عدل سے کام لینا چاہیے تاکہ روزِ محشر اللہ کے آگے شرمساری وذلت نہ ہو!میرے عزیزو اللہ سے ڈرو اور اس کے احسانات کے بدلے شکرانا ادا کرنے کو ایک نا قابلِ فراموش فرض تسلیم کرلو ورنہ کفرانِ نعمت کے مرتکب قرار پاؤ گے اور ''سخت عذاب'' کے مستحق بھی!

جہالت اور کم علمی نے ہمیں یہ بھی بھلا دیا کہ پانچوں فرض نمازیں شکرانے کی نمازیں ہی ہیں جو کہ انبیاء ومرسلین نے احسان مندی اور شکر گزاری کے اظہار کے لیے ادا کیں تھیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ نماز فجر حضرت آدمؑ نے لغزش سے معافی ملنے کی شکر گزاری میں ادا کی تھی ! حضرت ابراہیمؑ نے بھی نمرود کی آگ سے محفوظ رکھے جانیوالے احسانِ الٰہیہ کی شکر گزاری کے اظہار کے لیے بوقتِ ظُہر نماز ادا کی تھی ۔حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی سلامتی کی خبر ملنے پر شکرانا ادا کیا تھا جو کہ عصر کا وقت تھا۔اسی طرح اللہ نے حضرت داوٗدؑ کی توبہ قبول کی تھی ،انہوں نے شکرانہ ادا کیا تھا اور وہ وقت مغرب کا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے زندہ وسالم بچا لیا تو انہوں نے بھی شکرانا ادا کیا تھا اور وہ عشاء کا وقت تھا! یہی وہ پانچ نمازیں ہیں جو ہم پر فرض کی گیئں ! کیا یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی لیلۃ القدر کے سلسلے میں شکرانہ کی ادائیگی کو فرض تسلیم نہیں کیا جائیگا ؟

لیلۃ القدر کی بشارت کا حامل کون ہوسکتا ہے؟

اب یہ بھی جان لیں کہ شبِ قدر کی تاریخ کا تعین صرف وہی مامور من اللہ کر سکتا ہے جسے اس بارے میں ''عین الیقین'' عطا کیا گیا ہو جو کہ ثمہ انا علینا بیانہ سے متعلقہ اوامر کا ایک مضمون ہے۔اس بارے میں کسی غیر مامور من اللہ کے ''عین الیقین'' کا دعویٰ ،امت کے تفرقے کا باعث ثابت ہوگا ! کیونکہ ہم سب ایسے بیشمار نیک و پارسا متلاشیانِ شبِ قدر سے واقف ہیں جو ہر ماہِ رمضان میں شبِ قدر کے مل جانے کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں اور بڑے روح پرور تجربات واحوالات کے تذکرے سے سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں ۔لطف کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی سال میں یہ شب کسی کو ۲۳ ویں تاریخ کو ملتی ہے ،کسی کو ۲۵ ویں ،کسی کو ۲۷ ویں تو کسی کو ۲۹ ویں شب کو!

مصادر و مراجع:

۱۔قرآنِ کریم معہ اردو ترجمہ وتفسیر محمد جوناگڑھی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس ؛ مدینہ منورہ، سعودی عربیہ

۲۔ترجمہ قرآنِ مجید معہ مختصر حواشی — سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔دہلی
۳۔ترجمان القرآن — ابوالکلام احمد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ادبی مرکیٹ، چوک انارکلی؛ لاہور
۴۔اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح — محمّد فضل یوسف زئی، ناشر ادارہ علم وعمل، جامعہ علومِ اسلامیہ؛ بنوری ٹاون، کراچی
۵۔موسوعة الحديث الشريف الكتاب السيّية (عربی) — دار السلام للنشر و توازيع. رياض؛ سعودی عربيه
۶۔صحیح بخاری — اردو ترجمہ وحیدالزماں صاحب، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور
۷۔صحیح مسلم معہ مختصر شرح نووی — اردو ترجمہ وحیدالزماں صاحب، نعمانی کتب خانہ؛ اردو بازار، لاہور
۸۔مبادی تدبّرِ حدیث — امین احسن اصلاحی، فاران فاونڈیشن؛ اچھرہ، لاہور
۹۔ماہنامہ طلوعِ اسلام — ماہ نومبر ۲۰۰۳ء؛ گلبرگ۔۲، لاہور
۱۰۔ماہنامہ المعارف، اپریل۔جون ۲۰۰۴ء — ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۔کلب روڈ، لاہور
۱۱۔ماہنامہ صوت الحق — نومبر ۲۰۰۴ء؛ کراچی، پاکستان
۱۲۔ذخیرہ اسلامی معلومات، حصہ دوم، نظرِ ثانی — مولفہ محمّد غفران صاحب، مکتبہ مکیہّ، مکّی مسجد؛ ۲۲۔علاّمہ اقبال روڈ، لاہور